استحسان بحیثیت ماخذِ فقہِ اسلامی

شفقت حسین خادم - ایم اے شعبۂ علومِ اسلامی - یونیورسٹی آف کراچی

مستقل ماخذِ فقہ، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس، جن پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ علاوہ ازیں فقہ کے کچھ غیر مستقل ماخذ بھی ہیں، جن میں احناف کے نزدیک سب سے اہم "استحسان" ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں مسئلے کے دو پہلوؤں میں ایک کو کسی معقول دلیل کی بنا پر ترجیح دینے کا نام استحسان ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ استحسان کے قائل ہیں۔ اور اسے اثباتِ حکم کے لیے حجتِ شرعیہ سمجھتے ہیں بلکہ امام مالکؒ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ "الاستحسان تسعة اعشار العلم (الاعتصام ج ۲ ص ۱۱۸) جب کہ صفی الدین بغدادی حنبلی لکھتے ہیں "قال القاضی الاستحسان مذهب احمد" (قواعد الاصول صفحہ ۱۱۱) جب کہ امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں۔ (آمدی جلد ۳ ص ۱۳۱)

لغوی مفہوم

استحسان کے لغوی معنی کسی امر یا شے کا مستحسن سمجھنا ہے "عد الشئ حسنا" ملاحظہ ہو تلویح جلد ۲ ص ۸۱ و دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۲ ص ۵۶۷۔

انگریزی میں اسے (JURISTIC EQUITY) کہتے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم

استحسان کے مفہوم کی تشریح میں خاصا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کے لفظی مفہوم سے ہی اصطلاحی مفہوم وضع کیا ہے، چنانچہ امام ابن حزم اپنی کتاب "الاحکام" میں لکھتے ہیں: "استحسان وہ ہے نفس جس کی خواہش اور موافقت کرے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط، یعنی خواہش کے مطابق کسی دلیل کے بغیر کسی چیز کو حلال و حرام کر لیا جائے۔ تقریباً یہی مفہوم شافعی علماء نے سمجھا ہے

چنانچہ امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ "اصولیہ" میں اور اپنی کتاب "الام" کے ساتویں حصے میں تفصیل کے ساتھ اس کی تردید کی ہے اور اسے معتبر شرعی اصول سے خارج کیا ہے فرماتے ہیں: "وہ شخص جو حاکم یا مفتی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ کتاب و سنّت یا اہلِ علم کے متفقہ احکام کے مطابق فیصلہ کرے یا اُن میں سے کسی ایک اصول پر قیاس کرے لیکن اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ استحسان کے اصول کے مطابق کوئی فیصلہ یا فتویٰ دے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"جو کوئی مستند نصِ شرعی یا قیاس کے بغیر حکم یا فتویٰ دے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرتا ہے"۔

یہ قول بھی امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے "جو استحسان کے مطابق حکم دے وہ نئی شریعت نکالتا ہے۔ اُس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے خلاف اپنی طرف سے نئی شریعت قائم کرتا ہے"۔ ایک دوسری روایت میں امام شافعیؒ نے یہ فرمایا ہے "استحسان کے مطابق فتویٰ دینا باطل ہے"۔ اسی وجہ سے متکلمین کے علمائے اصول نے استحسان کی تردید کی ہے اور اسے غیر معتبر اور بے بنیاد دلائل میں شمار کیا ہے جس پر استنباطِ احکام کے لیے اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اسے بے دلیل حکم سمجھتے ہیں۔ اُن ہی میں سے ایک عالم نے کہا ہے "یہ ایسی دلیل ہے جو مجتہدین کی ذات کو داغدار کر دیتی ہے۔ اور اس کے لیے اس کی توضیح اور توجیہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو (تاریخ تشریع الاسلامی از شیخ خضری بک ص ۲۱۴ - ۲۱۵)

تعریف

اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح جسے مسلکِ حنفی میں بمقابلہ قیاسِ جلی، قیاس خفی پر محمول کیا جاتا ہے اور جس کی حیثیت ایک ایسی دلیل کی ہے جو مجتہد کے قلب پر نقش ہوتی ہے لیکن لفظوں میں اُسے بیان نہیں کیا جا سکتا بوجہ ہذا اصولیین نے استحسان کی تعریف مختلف انداز سے کی ہے۔ چند تعریفات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ صدر الشریعہ نے استحسان کی یہ تعریف کی ہے۔ ھو دلیل یقابل القیاس الجلی (تنقیح ج ۲ ص ۸۱)

۲۔ سرخسی نے یہ تعریف کی ہے: ھو ترک القیاس والاخذ بما ھو اوفق للناس (فلسفہ شریعتِ اسلام ص ۱۳۶)

۳۔ آمدی نے یہ تعریف کی ہے: انہ عبارۃ من العدول عن موجب قیاس و قیاس

اقوی منہ" (الاحکام جلد ۳ ص ۱۳۷)

۴ ـــ کشف بزدوی میں یہ تعریف درج ہے " الاستحسان ھو القیاس الخفی" (جلد ۳ ص۳)

۵ ـــ ارشاد الفحول میں یہ تعریف مرقوم ہے " ھو العدول عن حکم الدلیل الی العادۃ لمصلحۃِ الناس" (ص ۲۴۰)

۶ ـــ سرخسی نے ایک تعریف یہ لکھی ہے " الاستحسان طلب السھولۃ فی الاحکام فیما یبتلی فیہ الخاص والعام" (المبسوط ج ۱۰ ص ۱۴۵)

۷ ـــ ابن الانباری نے یہ تعریف لکھی ہے " ھو استعمال المصلحۃ جزئیۃ فی مقابل قیاس کلی" (ابوحنیفہ از ابو زہرہ حاشیہ ۳۲۴) یہ تعریف مالکی مذہب کے مطابق ہے۔

۸ ـــ ابن عربی نے یہ تعریف کی ہے " الاستحسان ایثار ترک مقتضی الدلیل علی طریق الاستثناء والترخص لمعارضۃ ما یعارض بہ فی بعضِ مقتضاتہ" (حوالہ سابق نمبر ۷) یہ بھی مالکی مسلک کے مطابق ہے۔

۹ ـــ قواعد الاصول صفحہ ۱۱۹ پر مسلکِ احمد بن حنبل کے مطابق یہ تعریف درج ہے " ھو ان یترک حکما الی حکم ھو اولی منہ"

۱۰ ـــ ایک تعریف یہ ہے " العدول فی مسئلۃ عن مثلِ ما حکم بہ فی نظائرھا الی خلافہ بوجہ ھو اقوی (منہاج الاصول)

قرآن میں اشارۂ استحسان قرآن کریم میں مندرجہ ذیل آیات استحسان کی طرف اشارہ کرتی ہیں یا کہ اُن سے استحسان کا اثبات کیا جاتا ہے:۔

۱ ـــ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ - (الزمر ۱۸)

"میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دیجیے کہ وہ جو بات سنتے ہیں، اُن میں " احسن " کی اتباع کرتے ہیں"

۲ ـــ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا (الاعراف ۱۴۵)

" اپنی قوم کو حکم دے دیجیے کہ وہ احسن احکام کو اختیار کریں"

استحسان کی ضرورت کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات خصوصی اہمیت رکھتی ہیں:-

۱۔ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج۔ ۷۸)

"اللہ تعالیٰ نے دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں کی ہے"۔

۲۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (البقرہ۔ ۱۸۲)

"اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے۔ مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا"

۳۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا (البقرہ۔ ۲۸۶)

"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت اور برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

احادیث و آثار میں اشارہ استحسان استحسان کے جواز کے ثبوت کے لیے عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی یہ روایت پیش کی جاتی ہے "ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ یعنی جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے" لیکن کہا گیا ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

صحابہؓ کے طرز عمل میں استحسان کا ثبوت میراث کا مسئلہ ہے۔ ہوا یہ تھا کہ ایک عورت کا انتقال ہوا اور اس کے ورثاء میں شوہر، والدہ، دو سگے بھائی اور دو اخیافی (ماں شریک) بھائی تھے۔ علم میراث کے قاعدے کے مطابق سگے بھائی عصبات میں شمار ہوتے ہیں اور اخیافی بھائی اصحاب فروض میں شامل ہیں۔ اصحاب فروض وہ ہیں جن کے حصے وحی الٰہی نے مقرر کر دیے ہیں اور عصبات وہ ہیں، جن کے حصے متعین نہیں ہیں۔ صورت مذکورہ بالا میں شوہر کو نصف، والدہ کو چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کو تہائی حصہ ملے گا۔ قیاسی قاعدے کے مطابق اس تقسیم کے بعد کچھ نہیں بچتا ہے کہ سگے بھائیوں کو دیا جائے۔ اس بنا پر وہ محروم ہو جائیں گے اور اخیافی بھائی اپنا حصہ لے لیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس تقسیم سے سگے بھائیوں کا نقصان ہے۔ حالانکہ میت سے ان کا ناطہ اخیافی بھائیوں کی نسبت دُگنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو پہلے تو آپ نے قیاسی فیصلہ فرمادیا جب عینی (سگے) بھائیوں نے ترکہ ہاتھ سے جاتا دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا "ہٹائیے ہمارے باپ کو اور سمجھ لیجیے ہمارا باپ کوئی گدھا تھا۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم چاروں ایک ہی ماں کی اولاد ہیں؟ یہ سن کر عمرؓ نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع فرمایا لیا اور

اخیافی چاروں بھائیوں کو ثلث میں شریک قرار دینے کا فیصلہ کر لیا۔ (ملاحظہ ہو" فقہ اسلامی کا پس منظر ص ۲۴۰، چراغ راہ ص ۲۰۷)۔

اسی طرح پوتے کی میراث کا مسئلہ ہے جب دادا کی حیات میں باپ کا انتقال ہو جائے اور باپ کے پاس کوئی مال نہ ہو تو صورتِ مذکورہ میں پوتے کو میراث نہ ملے گی، کیونکہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہو جاتا ہے۔

استحسان اور قدیم اُصولِ قانون جن حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر فقہاء نے استحسان کا اصول وضع کیا ہے۔ تقریباً اُن ہی ضروریات کے پیشِ نظر اس سے مشابہ ایک اُصول کا پتہ قدیم اُصول ہائے قوانین میں بھی ملتا ہے۔ یونانیوں میں اسے " EPIEIKEIA "! اور رومیوں میں (AEQUITA) کے ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔ جدید قانون میں اس کو " EQUITY " سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس اصول کے متعلق ارسطو نے کہا ہے کہ " ملکی قانون میں جہاں کہیں عمومیت کی وجہ سے نقص ہو تو اس اصول کے ذریعے اس کی اصلاح کی جاتی ہے"۔ سسرو نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر قانون اور نصفت کا فرق واضح کیا ہے اور نصفت کو قانون کی سختی میں اعتدال پیدا کرنے والا بتایا ہے، کہا یہ جاتا ہے کہ اس اُصول کی ابتداء روم میں غیر ملکیوں کے حقوق و فرائض کی حفاظت اور بین الاقوامی اُمور کے تصفیے اور قومی تجارت کے ضوابط کی توضیح کے لیے ہوئی تھی۔ کیونکہ اُس زمانے میں نہایت دشوار تھا کہ کوئی قوم دوسری قوم کے رسم ورواج اور قانون کو قبول کر لیتی ـــ اس لیے رومی مقننین نے چند ایسے اُصول مقرر کیے جن کے تحت باہمی معاملات کا تصفیہ حالات و مقامات کے لحاظ سے وہ کرتے تھے۔

مُلکی قانون میں چونکہ عام اُصول بیان کیے جاتے ہیں۔ اور منفرد مقدمات کے مخصوص حالات کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے اس لیے قانون کی عمومیت کے سبب اکثر مقدمات فیصل کرتے وقت لوگوں کے حق میں ناانصافی ہوتی ہے اور کبھی قانون نافذ کرتے وقت بعض گوشے مقننین کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ جن کی بنا پر دوسرا فریق موزوں چارۂ کار اختیار نہیں کر پاتا ہے اور نقصان اُٹھاتا ہے۔ ایسی جملہ ضروریات میں جب کہ قانون نے دادخواہوں کی ضروریات کے موافق دادرسی اور چارۂ کار عطا کرنے سے اغماض برتا ہے، عدالتوں کو قانون کی حدود سے (باقی دیکھیں صفحہ ۵۱)